مناظرہ وکلام
۱۸۸

حسین آباد۔ لکھنؤ ۱۸۰

امامیہ مشن لکھنؤ کا ساتواں تبلیغی رسالہ

# حسینؑ

مطبوعہ سرفراز قومی پریس کٹوڑا اسٹریٹ لکھنؤ

قیمت ۱ر محرم سنہ ۱۳۵۲ھ محصول ڈاک ۰ر

# یا قومنا اجیبوا داعی اللہ

اے قوم جواب دے خدا کی طرف سے پکارنے والے کا

برادران ایمانی - سلام علیکم

امامیہ مشن کی دینی و تبلیغی خدمات آپ حضرات کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں اس سلسلہ میں جیسا کہ اس سے قبل بھی عرض کیا جا چکا ہے جب تک کہ ہر ہر فرد قوم تھوڑی قربانی نہ کرے اس کام کو تیزی کے ساتھ آگے نہیں بڑھایا جا سکتا - چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ شیعیان امیر المومنین کثیر تعداد میں اس تبلیغی ادارہ کے ممبر بن کر ہماری تقویت کریں چندہ سالانہ کم سے ایک روپیہ ہے اور جو مومنین اس سے زائد مرحمت فرمادیں وہ اُن کی توفیق پر منحصر ہے اور ممبران کیلئے یہ رعایت ہوگی کہ ممبر بننے کے بعد جو رسالے شائع ہونگے وہ اُن کو نصف قیمت پر دئے جائینگے،

فارم ممبری ہم سے طلب فرمایئے اور خود بھی ممبر بنئے اور دیگر مومنین کو بھی ممبر بنا کر عند اللہ و عند الرسول ماجور ہو جیئے -

خادم ملت

سید ابن حسین عفی عنہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن

حسین آباد - لکھنؤ

# حسینؑ اور اسلام

(مصنفہ)

عالیجناب سید العلماء مولانا مولوی سید علی نقی صاحب قبلہ
مجتہد العصر مد ظلہ

# امامیہ مشن کی ساتوین مذہبی خدمت

حضرات ۔ امامیہ مشن کو قائم ہوے بہت کم عرصہ گذرا ہی جو چند مہینون سے زیادہ نہین لیکن اتنے ہی قلیل عرصہ مین اُسکے مذہبی خدمات اُس کا کافی تعارف کرا چکے ہین ۔

اس مشن نے اس عرصہ مین چھہ مستقل رسالے شایع کرنیکے علاوہ ایک ایک رسالہ کے دو دو اور تین تین ایڈیشن بھی شایع کیے جو اسکے خدمات قومی کی مقبولیت کا نتیجہ ہین ۔

امامیہ مشن کی یہ ساتوین خدمت ہے جو حسین ع کے نام کو اپنا نشان بنائے ہوے آپکے سامنے آرہی ہی خدا سے دعا ہے کہ وہ اسکو بھی قبول فرمائے اور جس مقصد کیلئے اسکی اشاعت کیجارہی ہے وہ پایۂ تکمیل کو پہونچے والسلام

خادم ملت ۔ سید ابن حسین عفی عنہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن ۔ لکھنؤ

Oriental Section
URDU PRINTED
۲۵ ۷
۱۹۶۴
۲۵۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید

المرسلین والہ الطاہرین

# حسینؑ اور اسلام

حسینؑ تاریخی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہیں، انکی شخصیت اور
عظیم کارنامے کروروں افراد کے سر عقیدت کو خم کئے ہوئے ہیں، تم نے
ممکن ہے کہ انکے عظیم کارنامۂ زندگی کے مطالعہ اور انکے حیرت انگیز ثبات
قدم اور استقلال و تدبر سے بھرے ہوئے بے مثال اقدام اور قربانی کے
حالات پر اطلاع حاصل کرنیکا موقع نہ پایا ہو لیکن کم سے کم تم نے حسینؑ کا نام
ضرور سنا ہوگا اور اتنا جانتے ہوگے کہ وہ کسی بڑے تاریخی واقعہ کے ہیرو ہیں
ممکن ہے یہ خیال بھی تمہارے دل میں کبھی آتا ہو کہ یہ حسین کون تھے اور

آخر اس واقعے کی خصوصیات کیا ہیں جو اس بڑے انسان کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ اچھا تو پھر آؤ اور صبر و سکون کے چند لمحے مجھکو عاریت دو۔

میں تم کو حسینؑ اور انکے مشن سے جس کے سلسلہ میں انھوں نے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے میں دریغ نہیں کیا مختصر لفظوں میں شناسا کراؤں جس سے تم کو حسینؑ اور ان کے اقدامات کے متعلق صحیح رائے قائم کرنیکا موقع مل سکے۔

# حسینؑ کون تھے؟

## حسینؑ کیساتھ اسلام کا روحانی تعلق

چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ دنیا تاریکی کے عظیم دور سے گذر رہی تھی اور انسانی تہذیب کی کشتی تفرقہ اور فساد کے طوفان میں ڈانوا ڈول تھی جزیرہ نمائے عرب سے اسلام کا آفتاب طلوع ہوا جسکی ابتدائی کرنیں اگرچہ حجاز کے مرکزی مقام مکہ معظمہ سے ظاہر ہوئی تھیں لیکن بتدریج

اسکی روشنی شرق و غرب عالم پر چھا گئی اور دنیا کو روشن کر دیا۔

یہ ہر دلعزیز اور عالمگیر مذہب جس کا نام ہے اسلام اپنے ابتدائی دور میں ترقی و اشاعت کی حیثیت سے دو عظیم شخصیتوں کی جانفشانی اور انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا ایک پیغمبر اسلام محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے انکے چچازاد بھائی علی بن ابیطالب،

اگرچہ دوسرے بہت سے صحابہ کرام نے جو خدمات انجام دی ہین اور جان نثاری و فداکاری کے فرض کو انجام دیا ہے انکو نظر انداز نہین کیا جا سکتا اور وہ تاریخ مین سنہری حرفون سے لکھے جانیکے قابل ہین لیکن اُن کو اسلام کے سنگ بنیاد نصب ہونے اور اُسکے بعد والے ابتدائی مراحل سے کوئی تعلق نہین ہے اور نہ اسکے بعد انھین اساسی حیثیت دیجا سکتی ہے بلکہ وہ ضمنی حیثیت رکھتے ہین۔ لیکن حقیقۃً انہی دو بزرگون کے ثبات قدم اور حیرت ناک استقلال اور اپنے خون کو پسینہ سمجھ لینے کا اثر تھا کہ اسلام کی بنیادین قائم ہوئین اور حیرت ناک تیزی کیساتھ

اسکی اشاعت ہوئی ۔

قدرت کو ان دونوں بھائیوں کے اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا تھا حضرت رسول اکرم صلعم کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا بیاہ حضرت علی بن ابیطالبؑ کا عقد ہوا اور اس طرح علی کو بھائی ہونیکے علاوہ ایک قسم کی فرزندی بھی رسولؐ سے حاصل ہو گئی اور یہ دونوں سلسلے کہ جو اشاعت اسلام میں متحد تھے اور زیادہ استحکام کیسا ایک نقطہ پر جمع ہو گئے ۔

انہی ماں باپ حضرت فاطمہ اور علی بن ابیطالبؑ سے دو بچے متولد ہوئے جن کا نام تھا حسنؑ اور حسینؑ اور عین اسوقت کہ جب اسلام ایک نو عمر بچہ کی حیثیت سے رسول اسلام کی آغوش میں پرورش پا رہا تھا ان دونوں بچوں کی ولادت ہوئی جن کی پرورش بھی رسولؐ کی آغوش میں شروع ہوئی اور اس طرح ان دونوں کا اور اسلام کا گہوارۂ تربیت ایک قرار پایا ایک طرف نانا کہ جو بانی اسلام تھے اور دوسری طرف باپ جو مجاہد

محامی اسلام تھے اُن کے خدمات اور کارگزاریاں سامنے تھیں اور اس ماحول کے باعث اسلام کیساتھ روحانی تعلق اور دلی ارتباط ان دونوں بچوں میں بچپنے ہی سے راسخ ہوگیا اور جتنی عمر بڑھتی گئی اُلفت اسلام کا جذبہ مستحکم سے مستحکم تر ہوتا گیا۔

مذہبی عقائد سے جن کی بنا پر یہ دونوں بزرگ (حسن و حسین) امام خلق اور حقیقی ذمہ دار اسلام قرار پاتے ہیں بالکل الگ ہو کر تاریخی اعتبار سے بھی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی زندگی پابندی شریعت اور حفظان اصول مذہب کی حیثیت سے اسلامی تعلیمات کا مکمل آئینہ اور احکام شریعت کا مجسم نمونہ تھی اور اسلئے بھی اسلام اور شریعت اسلام کے ساتھ جتنی گہری ہمدردی ان کو ہوسکتی تھی کسی کو نہیں۔

# بنی امیہ کا دورِ حکومت

## یا

## تاریخ کا ایک سیاہ ورق

پیغمبر اسلام کی وفات اسلام کیلئے ایک سخت ترین مصیبت تھی جسکے بعد ہی سے اسکی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے شروع شروع میں کچھ عرصہ تک اسکی سادگی و حقیقت پروری، ظاہری جاہ و عزت سے بے تعلقی اور مادی ساز و سامان سے کنارہ کشی ایک حد تک محفوظ تھی لیکن ادہر فتوحات نے ترقی کی قیصر و کسریٰ کے ممالک پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا، شاہانہ تزک و احتشام اور سلطنتی جاہ و جلال سے آنکھیں دوچار ہوئیں ادھر اسلامی افراد میں بھی کشور آرائی اور جہانبانی کے جذبات نے پرورش پائی اور مذہبی پابندیوں کے بجائے سیاسی منصوبہ بازیوں اور کمزوروں کے مقابلہ میں جابرانہ طاقتوں کے مظاہرہ کا دور دورہ ہو گیا۔

رسول ؐ اور آپکے خاندان (بنی ہاشم) کے قدیمی حریف بنی اُمیہ کہ
جو برابر رسول ؐ لئے شاعت اسلام کے خلاف اپنی طاقت کے آخری نفس تک
جنگ کرتے رہے اور سب سے آخر میں امید کے تمام رشتے منقطع ہو جانیکے بعد
بادل ناخواستہ اسلام لائے تھے انھیں ان انقلابات میں اپنے منصوبوں کے
پورا کرنے کا اچھا موقع ملا -

حضرت خلیفہ ثانی (عمر بن الخطاب) ہی کے دور میں شام پر ان کا تسلط
ہوگیا تھا جو صرف گورنری کی حیثیت سے تھا لیکن قدم جمانے کیلئے
بہت کافی تھا -

تیسرے دور میں خوش قسمتی سے مرکزی حکومت یعنی خلافت کا سہرا
بھی بنی امیہ کے سر پر بندھا اور اس گروہ کو اسلام کے خلاف اپنے دیرینہ
منصوبوں کے پورا کرنیکا پورا موقع مل گیا -

حضرت خلیفہ ثالث کے ساتھ حسن ظن کو راہ دیتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے
کہ صاف و سادہ لوح خلیفۂ وقت کو اپنے ان خاندانی افراد کے اغراض و

مقاصد اور اُنکے اطوار و حالات کی اطلاع نہ تھی لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اس عہد میں صحابہ رسول اور سچے اسلامی فرزندوں کیساتھ انتہائی شرمناک برتاؤ اختیار کئے گئے اور انہوں کی جانبداری اور اُنکے بدترین مظالم کی حمایت انتہا تک پہونچگئی جسکے بعد پانی سر سے اونچا ہوگیا اور مظالم کو برداشت کرتے کرتے صبر کے پیمانے لبریز ہو گئے جس کا افسوسناک نتیجہ قتل خلیفہ کی صورت میں ظاہر ہوا -

تاریخ کے مطالعہ سے اس قتل کی بہت کچھ ذمہ داری بنی اُمیہ کے سر دکھائی دیتی ہے -

اسکے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور خلافت کیلئے بڑے بڑے صحابہ کرام اور اہل حل و عقد کے اتفاق آراء سے حضرت علیؑ کا انتخاب ہوا اور سب نے باتفاق آپکی بیعت کی لیکن گورنر شام معاویہ بن ابی سفیان جو وہاں پورے طور پر قبضہ جما چکے تھے وہ اسلامی متفقہ فیصلہ کے سامنے سرنگوں ہونا تھے نہوے اور خون حضرت عثمان کی طلب کے

بہانے سے علی بن ابیطالبؑ سے برسر پیکار رہوئے چنانچہ جنگ صفین کے سیکڑون معرکہ جن مین ہزارون مسلمانون کا خون پانی کی طرح بہ گیا اسی کا کرشمہ تھے۔

آخر اس جنگ کا فیصلہ ایک مکارانہ مصالحت کیساتھ ہوا جس مین اگر دیانت و امانت کا جوہر کارفرما ہوتا تو یقیناً مسلمانون کے درمیان سے ناگوار اختلاف کا خاتمہ ہو سکتا تھا لیکن افسوس کہ حرص و آز کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے اس ظاہری مصالحت کو فتنہ و فساد کا پیش خیمہ قرار دیدیا اور اختلاف و افتراق کی خلیج پہلے سے زیادہ وسیع ہو گئی۔

یہ وقت تھا کہ شام کے تخت پر بنی امیہ کے قدم پوری طاقت کیساتھ جم گئے تھے ادہر امیر المومنین علیؑ کو مسجد کوفہ مین شہید کیا گیا ادہر شام مین مخالفت اہلبیت کا طوفان پوری قوت پر بلند ہو گیا اور دمشق بلکہ تمام بلاد اسلامیہ کے منبرون پر کمال جرأت کیساتھ اہلبیت رسولؐ پر لعن طعن کا بازار گرم ہو گیا۔

**اس زمانہ کے بعض اہم خصوصیات** امیر معاویہ اگرچہ صحابہ رسول کی ایک ممتاز فرد سمجھے جاتے ہیں لیکن اُن کے دورِ حکومت کے یہ افسوسناک خصوصیات ہیں جو اسلامی تاریخ میں جلی حرفوں سے مرقوم نظر آتے ہیں اور اُن سے اُس زمانہ میں اسلام کے ضعف و بے بسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱) وضع احادیث اور خدا و رسولؐ پر افترا و بہتان کوئی جرم نہ رہا بلکہ اس پر مخصوص مصالح کے تحت میں جائزہ و انعام دیا جاتا تھا چنانچہ ابوالحسن علی بن محمد مدائنی جو اسلامی مورخین میں بڑے پایہ کا شخص ہے اُس نے کتاب الاحداث میں اُس زمانہ کے حالات درج کرتے ہوئے لکھا ہے۔

کتب معاویۃ الی عمّالہ فی جمیع الآفاق ان لا یجیزوا لاحد من شیعۃ علی شہادۃ وکتب الیہم ان انظروا من قبلکم من شیعۃ عثمان ومحبّیہ واھل ولایتہ الذین یروون فضائلہ ومناقبہ فادنوا مجالسھم وقربوھم واکرموھم واکتبوا الیّ بکلّ ما یروی کل رجل منھم واسمہ واسم ابیہ وعشیرتہ ففعلوا ذلک حتی اکثروا فی فضائل عثمان ومناقبہ

لما كان يبعثه اليهم معاوية من الصلات والكساء والحباء والقطائع

ويفيضه في العرب منهم والموالي فكثر ذلك في كل مصر وتنافسوا في

المنازل والدنيا فليس يجيء امرؤ من الناس عاملا من عمال

معاوية فيروي في عثمان فضيلة او منقبة الا كتب اسمه وقربه

وشفعه فلبثوا بذلك حينا۔

"معاویہ نے تمام عمال کو لکھا کہ جو شخص حضرت عثمان کی فضیلت میں

کسی حدیث کو بیان کرے اُس کا پورا نام مع پتہ کے میرے پاس لکھکر بھیجو

اور پوری طرح جائزہ وانعام دے اُس کو مالا مال کردو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

فضیلت عثمان میں احادیث کثرت سے ہوگئیں اور ایک مدت تک یہ سلسلہ قائم رہا۔"

ثم كتب الى عماله ان الحديث في عثمان قد كثر وفشا في كل مصر وكل

وجه وناحية فاذا جاءكم كتابي هذا فادعوا الناس الى الرواية في

فضائل الصحابة والخلفاء الاولين ولا تتركوا خبرا يرويه احد من

المسلمين في ابي تراب الا وأتوني بمناقض له في الصحابة فان هذا

احب الیّ واقرّ لعینی وادحض لحجۃ ابی تراب شیعتہ واشدّ علیھم من مناقب عثمان وفضلہ فقرأت کتبہ علی الناس فرویت احادیث کثیرۃ فی مناقب الصحابۃ مفتعلۃ لاحقیقۃ لھا وجدّ الناس فی روایۃ ما یجری ھذا المجری حتی اشادوا بذکر ذلک علی المنابر والقی الی معلّمی الکتاب فعلّموا صبیانھم وغلمانھم من ذلک الکثیر الواسع حتی رووہ وتعلّموہ کما یتعلّمون القرآن وحتی علّموہ بناتھم ونساءھم وخدمھم وحشمھم فلبثوا بذلک ما شاء اللہ -

"پھر تمام گورنروں کو لکھا گیا کہ عثمان کی فضیلت میں احادیث کا بہت کافی ذخیرہ جمع ہو گیا ہے اب تم دیگر صحابہ کے فضائل میں روایت احادیث کی طرف لوگوں کو دعوت دو اور جو کوئی فضیلت بھی ابو تراب کی نسبت احادیث میں وارد ہوئی ہے اسکے مقابل دوسرے صحابہ کیلئے بھی بیان کرو۔ علی اور انکے شیعوں کی دلیل کے باطل کرنیکا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے۔ بس جیسا کیا تھا، فرمان لوگوں کے سامنے پڑھا گیا اور سیکڑوں

حدیثین صحابہ کبار کے مناقب مین تصنیف ہوگئین جن کی کچھ اصلیت نہتھی واعظین ان کو منبرون پر پڑہتے اور معلمین مکتب بچون کو قرآن کیطرح حفظ کراتے تھے بلکہ لڑکیون عورتون اور غلامون کنیزون تک کو یاد کرانا ضروری سمجھتے تھے۔"

اس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ سچے اسلامی روایات بھی ان بے حقیقت اخبار کے ساتھ مخلوط ہوکر بے اعتبار ہوگئے اور علمی تحقیق و تدقیق مین ایک بہت بڑا رخنہ پڑگیا۔

(۲) سب و شتم اور اکابر اہل اسلام کو گالیان دینے کا دستور نکل آیا دمشق و شام کے منبرون پر چالیس برس تک یہ رسم ادا ہوتی رہی اور علی بن ابیطالبؑ کی نسبت اس جسارت کا سلسلہ قائم رہا۔

(۳) بلاد اسلامیہ مین شراب بہت آزادی کیساتھ استعمال کیجانے لگی اور اُسکی خرید و فروخت مین کوئی روک ٹوک باقی نہین رہی چنانچہ عبدالرحمن بن سہل انصاری (صحابی رسولؐ) نے شراب کے بارے مین لڑتے ہوئے

اونٹون کو دیکھا تو اپنے نیزہ کی نوک سے اُن مشکون کو پھاڑ ڈالا حضرت معاویہ کو خبر معلوم ہوئی تو کہا اُس بڈھے کو چھوڑ دو اُسکی عقل جاتی رہی ہے عبدالرحمن نے سنا تو کہا خدا کی قسم میری عقل نہین گئی ہے مگر رسالتمآبؐ نے ممانعت فرمائی ہے اس سے کہ شراب ہمارے شکم مین داخل ہو یا برتنون مین رکھی جائے (دیکھو کتاب اسد الغابہ ابن اثیر جزری ج ۳ صـ۲۹۹ و اصابہ حافظ ابن حجر عسقلانی ج ۲ صـ۴۰۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین شراب کی درآمد مسلمانون مین بہت خوبی سے ہو گئی تھی اور اگر کوئی سچا مسلمان تعرض کرتا تھا تو اُسے دیوانہ اور بے عقل کا خطاب دیا جاتا تھا۔

(۴) بیگناہ مسلمانون کا خون بے تحاشہ بے دردی سے بہایا جانے لگا ہیکڑون کلمہ گویون کی گردنین زیر تیغ ہو گئین سمرۃ بن جندب اور بسر بن ارطاۃ اور زیاد بن ابیہ کی سیاہ کاریان اسی عہد کا نامۂ عمل ہین عبداللہ بن عباس کے دو کمسن بچے مان کی گود مین ذبح کر دیے گئے جس سے دو منجمد

ہوگئیں (ملاحظہ ہو استیعاب، ابن عبدالبر مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد جلد اول صـ٦٦)

(۵) مذہب کا وقار بالکل کم ہو رہا تھا اور بڑے سے بڑے ارکان مذہبی کو مسخرہ پن میں اڑایا جاتا تھا۔

امیر معاویہ نے بڑے فخر سے جاریہ بن قدامہ اور احنف دو شخصوں کی نسبت فرمایا کہ اشتریت منہما دینہما میں نے اُن سے اُن کا مذہب مول لے لیا ہے" استیعاب ج ا صـ١٥٤)

مصر کے لوگوں نے دربار میں آکر السلام علیک یا رسول اللہ کہا اور اس کو گوارا کر لیا گیا، سزا دینا تو بڑی بات تھی معمولی سی زبانی تنبیہ بھی نہ کی گئی (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ٦ صـ١٨٤)

ان دونوں واقعوں کو ہم نے اپنے رسالہ "قاتلان حسین کا مذہب" میں تفصیل سے لکھا ہے اور اُن سے اُس وقت کے اسلامی حساسات و جذبات کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔

امیر معاویہ کا زمانہ کسی نہ کسی طرح بسر ہو گیا اور انہوں نے اپنی عمر گذار دی مگر مسلمانوں کے سر ظلم و ستم کے ایسے پودے بو کر گئے جس نے اسلام کے شیرازہ کو بالکل درہم و برہم کر دیا۔ یزید کے اخلاق و عادات سے امیر معاویہ بے خبر تھے؟ نہیں ہرگز نہیں وہ خود یزید کے خصوصیات سے واقف تھے اور اس کا اظہار بھی کیا ہے چنانچہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب "تطہیر اللسان والجنان" میں جو حضرت معاویہ کے مناقب و فضائل میں تصنیف کی ہے لکھتے ہیں کہ ایک روز امیر معاویہ رونے لگے، مروان نے کہا کیوں کیا ہوا؟ آپکے رونیکا سبب؟ جواب دیا کہ

انّی شیٔ کنت عنہ عزو باکبیرت سنّی ورقّ عظمی کثرت الدمع فی عینی ورمیت فی احسن ما یبنہ بنی ولو لا ھوای فی یزید ابصرت قصدی۔

"دنیا میں کونسی راحت تھی جو میں نے نہ اٹھائی ہو، اب سن زیادہ ہو گیا، ہڈیاں گھل گئیں جسم کمزور ہو گیا لیکن اگر مجھ پر یزید کی محبت کا غلبہ

نہوتا تو میں اپنے لئے راہ راست کو حاصل کرلیتا " (حاشیہ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص۱۵)

دوسرے مقام پر علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔

قولہ ولولاھوای الخ فیہ غایۃ التسجیل علی نفسہ بان مزید محبتہ لیزید اعمت علیہ طریق الھدیٰ واوقعت الناس بعدہ مع ذلک الفاسق المارق فی الردیٰ۔

" ان الفاظ میں معاویہ نے پورے طور پر اقرار کرلیا ہے کہ یزید کی محبت نے اُن کو ہدایت کے رستوں سے اندھا بنا دیا ہے اور اسی فرط محبت نے مسلمانوں کو اُن کے بعد ایسے فاسق وفاجر کے ہاتھوں میں مبتلا کردیا جو اُنکی ہلاکت کا باعث ہوا "

(حاشیہ صواعق محرقہ ص۱۵)

اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ امیر معاویہ یزید کے افعال عادات سے بے خبر تھے اور اُس کی ولی عہدی نیک نیتی پر مبنی تھی، یزید کی بیعت مسلمانوں سے بزور دستی لی گئی اور زر وجواہر کے خزانے اس کیلئے وقف کردئے گئے۔ یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا اور اُس کے فسق وفجور نے زمانہ

بپا کردیا۔ ہر طرف معصیت خدا اور مخالفت شریعت کا بازار گرم ہوا۔ مذہب بازیچۂ اطفال ورا سلام زینت طاق نسیان بن گیا، یزید کے افعال و عادات کے تفصیلی تذکرہ سے ان صفحات کو پُر نہیں کیا جا سکتا اسلام کی مستند تاریخیں ان واقعات کو اپنے اندر محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ واقدی نے مختصر الفاظ میں جس طرح یزید کے بدکرداری کی تصویر کھینچی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

کان رجلا ینکح امہات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ۔

"وہ ایسا شخص تھا کہ اپنے باپ کی منکوحہ کنیزوں اور اپنی بہنوں بیٹیوں تک کو نہ چھوڑتا تھا شراب پیتا تھا اور نماز کو ترک کرتا تھا"

(ملاحظہ ہو صواعق محرقہ، علامہ ابن حجر مکی ص ۱۳۵)

اب بتاؤ کہ کیا اسلامی بادشاہ یا خلیفۃ المسلمین اور مجوسیوں میں کچھ بھی فرق ہوا؟ حد سے زیادہ فاسق اشخاص بھی اپنی ماں بہنوں بیٹیوں سے مقاربت کرنا حمیت و غیرت بلکہ انسانیت کیخلاف سمجھتے ہیں۔

بادشاہ وقت کے ان عادات و اخلاق کو دیکھکر دنیا نے رنگ پکڑ لیا تھا اور مذہبیت بالکل فنا ہو گئی تھی لطف یہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ سر تسلیم خم کئے ہوئے تھے اور کسی کے دہن سے صدائے اعتراض بھی بلند نہ ہوتی تھی۔ سوائے پانچ شخصوں کے تمام صحابہ و تابعین یزید کو خلیفہ رسول تسلیم کر چکے تھے ان پانچ میں سب سے پہلا نام حسین بن علی کا ہے اور باقی دیکھا دیکھی عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس یزید کی طرف سے کوشش شروع ہوئی کہ ان کو بھی پابند بنایا جائے اور سب سے زیادہ امام حسین علیہ السلام کے حلقہ بیعت میں داخل ہونے کیلئے اہتمام کیا گیا۔

گذشتہ تاریخ اور اسلام کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے ظاہر ہے کہ علی بن ابیطالب کا فرزند اور خاندان رسول کا سب سے بزرگ اگر ان حالات کی موجودگی میں یزید کی بیعت کر لیتا تو اسلام کا نام بھی باقی نہ رہ سکتا۔

# حسن مجتبیٰ کی صلح مجاہدۂ کربلا کی تمہید تھی

ہر اقدام جو اپنے وقت پر ہو وہ مفید نتیجہ خیز اور مُوثر ہوتا ہی لیکن اگر وقت سے پہلے کیا جائے تو وہ نتیجۃً مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوتا ہی بلکہ اپنے کرنے والے کو اکثر ہمیشہ کیلئے مورد الزام بنا دیتا ہی۔

واقعات کی رفتار یکساں نہیں رہتی بلکہ تدریجی حیثیت سے ترقی کرتی ہی اور اُن کا طریقہ علاج بھی اُسی اعتبار سے مختلف ہو جاتا ہی۔ عالم کا نظام اسی پر برقرار پایا ہی اور انسان کی افتاد طبع یوں ہی واقع ہوئی ہی اس میں تغیر و تبدل کا امکان نہیں۔

زخم رسیدہ یکے ہوئے جزو بدن ہاتھ یا پیر کا علاج کرو، پھاہی لگاؤ مرہم بدلو ضرورت ہو تو بار بار نشتر دلواؤ پھر اگر نہ اچھا ہو اور اُسکی سمیت کے جسم میں سرایت کرنیکا خوف ہو تو اُسے کاٹ کر بھی پھینک دو کسی کی اعتراض کا حق نہ ہوگا لیکن اگر زخم پیدا ہونیکے نشانی ہی یا کوئی علاج معالجہ کرنیکی

پہلے ہی کاٹ ڈالتے تو ضرور مورد الزام اور عام طور پہ بے عقل سمجھے جاتے حالانکہ یہ طرز عمل وہی تھا جو بعد میں اختیار کئے جانے پر ممدوح و مستحسن سمجھا جاتا تھا دشوار گذار حالات کی اصلاح کے لئے قربانی اور وہ بھی جان کی قربانی کامیاب اور موثر ترین حربہ ہے لیکن سب سے آخری ، جب تمام وسائل و ذرائع ختم ہو جائیں اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہو اسوقت اُس کا درجہ ہے وہ جہاں تک آخری رہے وہیں تک ممدوح ہے اور اگر اس سے پہلے عمل میں آگئی تو اُس پر جلد بازی غیر موقع شناسی اور ناعاقبت اندیشی وغیرہ کا الزام آجانا ضروری ہے جس کے بعد اُسکو حق بجانب نہیں سمجھا جاسکتا اور اسی کیساتھ اُس کی کامیابی اور تاثیر رخصت ۔

حالات کی اصلاح کے لئے احتجاج و استغاثہ مصالحت و رواداری شرط شروط اور قرار داد و معاہدہ یہ سبھی چیزیں ہیں جن کا اختیار کیا جانا ابتدائی حدود میں ضروری ہے ۔

بیشک جب یہ سب وسائل و ذرائع اختیار کئے جانے کے بعد ناکام

ثابت ہوں تو پھر "من جرب المجرب حلت بہ الندامۃ" "آزمودہ را آزمودن جہل ست" کے مطابق انسان سے ان ذرائع کا مطالبہ ہو سکیگا اور اس کی رفتار عمل کو آگے بڑھکر کسی دوسرے اقدام تک پہنچنے کا حق پیدا ہوگا۔ یہی تدریجی رفتار اقدام عمل میں جبتک قائم ہی کامیابی کی توقع ہی ورنہ نہیں۔ ایک بات ہوجانے پر پہلے ہی دن مرنے مارنے پر آمادہ ہوجانے والا "مغلوب الغضب" کہا جائیگا۔ وہ کسی تعریف کا مستحق نہیں برخلاف اسکے اگر تمام دیگر ذرائع واسباب کے ذریعے سے اتمام حجت کے بعد انسان کسی اہم مقصد کیلئے جان دینے پر طیار ہوجائے تو فداکاری وجان نثاری اور موثر قربانی قرار پائے گی۔

ایک انسان اگر اپنے افعال واعمال میں توازن کو ملحوظ رکھتا اور اپنی کارگذاریوں میں صرف جذبات کا فرمانبردار نہیں بلکہ عقلی غور وتدبر کا پابند ہی تو اُسے اس نظام کا پابند ہونا ضروری ہی۔

شام کی اموی سلطنت کے ہاتھوں بیشک مذہب خطرہ میں تھا

اور حق وصداقت پامال ہو رہی تھی جس کی اصلاح کیلئے قربانی درکار تھی لیکن اس قربانی کے حق بجانب قرار پانیکے لئے دوسرے پرامن اور صلح پرور وسائل و ذرائع کے صرف کئے جانے کی ضرورت تھی۔

بیشک اگر امام حسینؑ ایکی یکا بغیر کسی قسم کے سابقہ حالات کے یزید کی بیعت سے کنارہ کشی کر کے باوجود فقدان اعوان و انصار مخالفت پہ جس کا لازمی نتیجہ آپکا قتل ہونا تھا طیار ہو جاتے اور ایسا کرتے تو ان سوالون کا پیدا ہونا ناگزیر تھا کہ آخر امامؑ نے اتحاد عمل کیساتھ حالات کے درستی کی کوشش کیون نہ کی؟ مخصوص شرائط کیساتھ صلح کر کے اپنے مقاصد کو کیون نہ حاصل کیا؟ کم سے کم امور سلطنت سے بے تعلقی اختیار کر کے مدینۂ رسول مین قیام پذیر کیون نہ رہے اور کربلا آکر اپنے تئین معرض خطر مین کس لئے ڈالا؟

یہ سوالات پیدا ہونے کے بعد جن کا کوئی صحیح حل بھی موجود نہ تھا یقیناً آپ کا قتل ہونا صرف جذبات کی کارفرمائی کا نتیجہ قرار پاتا

اور اس لئے نہ قابل ستائش ہوتا اور نہ موثر و کامیاب لیکن واقعہ تھا کہ امام حسینؑ کا اقدام عمل یا قربانی وہ ایک مکمل نظام کے تحت میں واقع ہوا تھا جس کیلئے برسوں کی طویل مدت کے حالات موقع کو قریب لا رہے تھے یہانتک کہ ۶۱ھ میں اس کا وقت آ گیا۔

شروع شروع میں امام حسنؑ کا صلح کر لینا اور مخصوص شرائط معاہدہ کے ساتھ سلطنت کی ذمہ داریوں سے دستکش ہو کر دس برس خاموشی کی زندگی بسر کرنا اور پھر دس ہی برس تک خود امام حسینؑ کا بھی عملی حیثیت سے خاموش رہ کر حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے اکثر زبانی یا مکتوبی احتجاج کرتے رہنا لیکن باوجود اسکے حالات کا روبہ صلاح ہونے کے بدلے بدسے بدتر ہوتے جانا شرائط معاہدہ کا ٹھکرا دیا جانا صلحنامہ کے دفعات کا پامال ہو جانا زبانی احتجاج و استغاثہ پر کوئی شنوائی نہ ہونا بلکہ اپنے انسانیت سوز اور اسلام کش افعال پر بیش از بیش اصرار کیا جانا اور اس سلسلہ میں پانی کا سر اونچا ہو جانا اور معاملات کا حد سے گذر جانا وہ تھا

جس نے امام حسینؑ کیلئے اس عظیم اقدام کا موقع پیدا کر دیا تھا کہ جو انھوں نے کربلا کی سرزمین پر انجام دیا۔

اب اعتراض تاریخی حالات سے بیخبری کا نتیجہ ہوگا کہ حسینؑ نے خود اپنی جان کو معرض خطر میں ڈالا۔ اگر وہ مدینہ میں قیام کرتے اور یزید سے برسر پرخاش نہوتے تو آپ کا خون کربلا کی زمین پر نہ بہتا۔

یہ خیال بالکل بے حقیقت ہے۔ بنی امیہ کی عداوت بنی ہاشم اور خصوصاً علی بن ابیطالبؑ کی اولاد سے اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ کسی طرح ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیسکتے تھے اور انکی خاموش ہستی بھی انکی آنکھوں میں خار بنکر کھٹکتی تھی حسن مجتبیٰؑ نے باوجود صلح جوئی اور خاموشی و کنارہ کشی کیا پھل پایا؟ یہ کہ زہر قاتل کے اثر سے کلیجہ کے ٹکڑے ہوے اور دشمنوں کی ظلم و بیداد کا خاموش افسانہ سناتے ہوے دنیا سے رخصت ہوے۔ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی اپنی کتاب محرم نامہ صفحہ ۲۷ اور دوسری کتاب یزید نامہ صفحہ ۸۳ میں لکھتے ہیں۔

"پہلا خون سیدنا حضرت امام حسن کا ہے جو تاریخ کی روایت سے قطعاً امیر معاویہ کے اوپر ثابت ہے اور کوئی قدیم و جدید محاکمہ تاریخی و قانونی انکی بریت اس قتل سے نہیں کرسکتا۔"

کون کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت امام حسینؑ عراق مین نہ آتے اور مدینہ مین قیام فرماتے تو ان کے قتل کیلئے کوئی ایسا ہی خاموش حربہ استعمال کردیا جاتا جس طرح حضرت امام حسنؑ پر استعمال کیا گیا۔

اسوقت آپکی جان بھی جاتی اور افراد بشر کے سامنے حقیقت کے واضح ہونیکا بھی کوئی طریقہ نہ ہوتا بلکہ جس طرح اس سے پہلے امام حسنؑ کی شہادت سے انکار کیا جاتا رہا اسی طرح حضرت کی شہادت سے بھی برأت کرنا ضروری خیال کیا جاتا اور یہ یقیناً یزید کی فتح اور حسینؑ کی شکست قرار پاسکتی تھی کیونکہ اس حالت مین اول الذکر نے اپنے مقصد کو حاصل کیا حسینؑ کے وجود کو دنیا سے محو کردیا اور پھر عالم کے سامنے اپنے تئین بری بھی ثابت کردیا اور حسینؑ نے اپنی جان سے ہاتھ دھویا اور کوئی نتیجہ خیز اثر بھی دنیا مین نہ چھوڑا،

بھلا حسینؑ سے مجبر العقول تدبر واستقلال کی مالک ہستی سے کب توقع کیجا سکتی ہے کہ وہ اس پہلو پر متوجہ نہو حسینؑ نے اپنے معاملہ کو دو مختلف صورتوں میں منحصر پایا، ایک یہ کہ خاموش طریقہ پر اپنی جان سے ہاتھ دہو ئیں اور دین اسلام و شریعت نبویہ بھی یزید کے افعال و اقوال سے محو ہو کر رہے، دوسرے یہ کہ اپنی ہستی کو ظاہری صورت میں دست فنا کے سپرد کر کے ہمیشہ کیواسطے اپنی اور اپنے نانا کی تحریک کو زندہ کر کے اسلام کا ایک پائدار نقش چھوڑ دیں، فرزند رسولؐ نے اپنے عظیم تدبر و عاقبت اندیشی سے کام لیکر دوسری صورت کو ترجیح دی اور اسلام کو زندہ کرنیکے ساتھ اپنی موت کو اپنے اور اسلام دونوں کی فنا کے مقابلہ میں اختیار کیا،

حسینؑ نے اپنی جان دیکر اپنے مخالفین کے مفاد کو ہمیشہ کیلئے پامال کر دیا اور یہی وہ عظیم فتح ہے جس کو حضرت نے ظاہری صورت میں فنا ہو کر حاصل کیا۔

# حسینؑ کا اقدام عمل خالص تبلیغی شان رکھتا تھا

(اور)

# تدبر و سیاست کا بہترین نمونہ تھا

امام حسینؑ درحقیقت مدینہ سے اسبات کا بیڑا اٹھا کر نکلے تھے کہ دنیا کے سامنے حق کو حق اور باطل کو باطل ظاہر کر دین چنانچہ انھون نے اپنے مقصد کی اشاعت اور یزید کے ننگ انسانیت افعال کو طشت از بام کرنے مین وہ تمام وسائل و ذرائع اختیار کئے جو آن کے عظیم تدبر و سیاست کا پتہ دیتے ہین -

سب سے پہلے یہ دیکھو کہ حسینؑ نے مدینہ رسولؐ کو چھوڑ نیکے بعد مکہ معظمہ کو اپنے قیام کے لئے منتخب کیا - مکہ معظمہ کا قیام سطحی نظر دیکھنے والون کی نظر مین تو اس غرض کیلئے تھا کہ اس مقام مقدس مین خونریزی حرام ہی لہذا آنکی زندگی دشمنون کے خطرہ سے محفوظ رہیگی لیکن یہ نقطہ نظر ایسے شخص کیلئے تسلیم کیا جا سکتا ہی جس کو آخر تک اپنی جان بچانا منظور ہو مگر حسینؑ کہ جو مرنے پر کمر باندھ

چکے تھے اور پورے طور سے آخر تک ہونیوالے واقعات پیش نظر رکھتے تھے جس کو برابر الفاظ میں بتلاتے بھی رہتے تھے انکی نسبت اس خیال کو کوئی وقعت نہیں دیجا سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ مکہ معظمہ قلب جزیرۃ العرب اور عالم اسلام کا مرکز تھا، اطراف و جوانب کے قافلے برابر آتے جاتے رہتے تھے اور علاوہ فریضہ حج کے جو اسلامی شریعت کی رو سے ہر مستطیع مسلمان پر واجب ہے اور جس کی بدولت اشہر حج میں چاروں طرف سے مختلف قبائل عرب کا آنا ضروری ہے خود عرب کے قدیم روایات اور سابقہ عملدرآمد کی وجہ سے جو صدیوں سے قائم تھا اور اسلام نے بھی جس کو باطل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی عرب کے اس خطہ کو تمام مختلف الخیال قبائل عرب کا محل اجتماع بنا رکھا تھا یہ مشہور کانفرنسیں جو شعر و سخن اور خرید و فروخت وغیرہ کیلئے قائم ہوتی تھیں جن کو اسواق العرب کہا جاتا ہے ذی القعدہ سے لیکر محرم تک مکہ، طائف اور مدینہ کے درمیان ہی میں قائم ہوتی تھیں۔

امام حسینؑ کی شخصیت دنیائے عرب میں کوئی اجنبیت نہ رکھتی تھی، اگرچہ مذہبی احساسات مردہ ہوگئے ہوں اور حسینؑ کو اُن کے واقعی مراتب کے ساتھ لوگ نہ پہچانتے ہوں لیکن رسولؐ کا نواسا، سلطان حجاز و عراق کا فرزند ملک عرب کا سب سے زیادہ سخی و جواد جس کے گھر سے کبھی کوئی سائل محروم نہیں پھرا، بنی ہاشم کا بزرگ خاندان، یہ عنوان وہ تھے جن سے کوئی بھی ناواقف نہ تھا اور کسی کو اُن کے انکار کی جرأت نہیں ہوسکتی تھی۔

حسینؑ نے یہی زمانہ کہ جو تمام قبائل عرب کے اجتماع کا تھا مکہ میں اپنے قیام کے لئے تجویز کیا، ہم نہیں کہنا چاہتے کہ حسینؑ اپنے لئے کوئی بڑا لشکر جمع کرنا چاہتے تھے اور ان قبائل عرب کے ساتھ روابط بڑھا کر اپنی حیثیت کو مضبوط بنا کر یزیدی مقابلہ کا خیال رکھتے تھے، نہیں ہرگز نہیں، اگر وہ ایسا چاہتے تو کر سکتے تھے اور مضبوط تحریک ہونے کی صورت میں ممکن نہ تھا کہ اس میں کامیابی نہ ہوتی۔

یمن بالکل نزدیک تھا جس کا اسلام علی بن ابیطالبؑ کا رہین منت تھا

اور اسکی وجہ سے وہان کے رہنے والون کو علی بن ابیطالب اور اُن کے گھرانے سے پوری ہمدردی حاصل تھی -

طائف بھی کچھ اولاد رسولؐ کا مخالف نہ تھا لیکن فرزند رسولؐ کو عالمگیری اور جہانبانی کا شوق نہ تھا، وہ اپنے تئین ایک عظیم الشان بادشاہ تسلیم کرانے کی ہوس نہ رکھتے تھے، مگر حسینؑ کا قیام مکہ معظمہ مین صرف اس لئے تھا کہ جمہور عرب کے اندر صورت حالات کی طرف ایک توجہ پیدا ہو جائے اور یزید کے افعال و اعمال کا چرچا ہونےلگے -

حسینؑ کے قتل کیلئے حجاج کے لباس مین شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے ہون یا حضرت کے پابزنجیر کرکے لئے جانے کا سامان کیا گیا ہو بہر حال معلوم اسباب و علل کے ماتحت امام کا بیت الحرام سے رخصت ہونا اور زمانہ حج کے گذرنے کا انتظار بھی نہ کرنا اس کو امام کے تبلیغی مقصد مین پورا دخل ہے۔ ایکی ایکا خلاف توقع حسینؑ کا حج کو ترک کر دینا اور تمام اہل و عیال کیساتھ مکہ معظمہ سے نکل کھڑا ہونا ایسی حالت مین کہ حج کا زمانہ بہت کم

باقی تھا اس نے تمام قبائل عرب کے نمایندوں میں ایک لہر دوڑا دی اور اگر کوئی تاریخ اس موقع کی قلم بند کی گئی ہوتی تو اُس میں ضرور نظر آتا کہ اس موقع پر کن خیالات کا اظہار کیا جاتا تھا۔

حسینؑ بن علیؑ کہاں چلے گئے؟ حج بھی نہ کیا؟! ان تمام اہل و عیال و اقربا کو لیکر اپنے نانا کی قبر کے جوار کو کیوں چھوڑ دیا؟ (یزید کے خوف سے) کیوں؟ یزید کیا چاہتا ہے؟ (حسینؑ سے بیعت کا طالب ہے) لاحول ولاقوۃ بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے؟ فرزند رسولؐ اور یزید ایسے شرابخوار اور زناکار فاسق و فاجر کی بیعت کرے! اچھا پھر مکہ معظمہ میں کیوں قیام نہ کیا؟ کس لئے حج کو بھی ترک کر دیا؟ (جان کا خطرہ تھا شاید مکہ میں حسینؑ کے قتل کرنے کیلئے شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے تھے) توبہ توبہ! اس سے بڑھکر سفاکی و ظلم کیا ہوگا کہ فرزند رسولؐ کو حرم میں بھی چین نہ لینے دیا جائے؟!

یہ تذکرے وہ ہوں گے جو مکہ معظمہ اور اُس کے اطراف و جوانب میں اکثر

باخبر حلقوں میں بہت اہمیت کیساتھ جاری تھے۔

وہ زمانہ کہ جب طرق مراسلات و مخابرت مسدود تھے تار ٹیلیفون وغیرہ خبر رسانی کے ذرایع نایاب اس سے بڑھکر کوئی طریقہ واقعات کی اشاعت کا نہیں ہو سکتا تھا۔ ماہ سے بہ ذرانہ لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔ جو شخص تازہ اپنے شہر میں آیا اُس کو بھی تازہ واقعات کے ضمن میں حسینؑ کے نقل و حرکت اور اُسکے اسباب و علل کا بیان کرنا ضروری تھا اس کا نتیجہ یہ نہیں تھا کہ امام کیلئے کوئی بڑا لشکر جمع ہو جائے لیکن مطلب صرف اتنا تھا کہ پہلے سے ان حالات کی اشاعت ہو جانے کے سبب حسینؑ کی شہادت عام طور سے نامعلوم اسباب و علل کا نتیجہ قرار نہ پائے تا کہ اہل شام کو اپنے دل سے اُس کیلئے مخصوص وجوہ تراشنے کا موقع ملجائے اور حسینؑ کی مظلومیت خفائیت مخفی ہو جائے یقیناً اگر امام کی طرف سے ان طرق نشر و اشاعت کو عمل میں نہ لایا جاتا تو یزید کی طرف سے امام کی شہادت کو طرح طرح کے لباس پہنائے جاتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حسینؑ کا خون رائگان چلا جاتا بایں معنی کہ آپ

اپنی جان بھی ہاتھ سے کھوتے اور کوئی ہمدردی بھی افرادِ بشر کے قلوب
مین چھوڑ کر نہ جاتے اور نہ وہ مقصود جو آپ کا تھا حاصل ہوتا مگر خدا کی قدرت
دیکھو کہ امام شہید ہوئے اور تمام دنیا نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ وہ ناحق قتل
کئے گئے، شام کا حاکم اور اسکے دشمن انسانیت وزرا اور ساتھی کسی تہمت
تراشنے کا موقع بھی نہ پا سکے۔ اسے خداوند عالم کی قوت قاہرہ کے بعد حسینؑ
کے تدبر سے تعلق ہے اور وہ اسباب و علل شہادت کے نشر و اشاعت کا نتیجہ تھا۔
حسینؑ نے اپنی نقل و حرکت کے وجوہ کو زندگی ہی سے عالم اسلام مین
شایع کر کے دشمنون کی زبانین بند کر دین اور اپنی مظلومی کے سامنے
دنیا کے سر تسلیم کو خم کرا لیا اور اس سے بڑھکر حقانیت کی تبلیغ کیا ہو سکتی ہے؟

**حسینؑ کا قافلہ خاموش مبلغ تھا**

حج کا زمانہ تھا عراق، یمن، طائف وغیرہ ہر طرف سے قبائل مکہ مین آ رہے تھے، ادھر امام حسینؑ اپنے اہل و اقربا انصار و اصحاب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ خیمہ و خرگاہ تمام اسباب ساتھ لئے ایک بڑے قافلہ کی صورت مین مکہ سے جا رہے تھے،

عالم مسافرت مین زندگی گذارنے والے واقف ہین کہ راستہ مین چار پانچ آدمیون کا بھی قافلہ نظر آئے تو کھوج ہوتی ہی کہ یہ کون لوگ ہین کہان سے آئے ہین؟ پھر کہان امام حسینؑ کا شاندار قافلہ اور صحاب و اعوان کا مختصر لشکر۔ اُس پر طرہ یہ کہ حج کو دو دن باقی رہی مکہ معظمہ کی طرف سے آرہا ہو جبکہ دنیا مکہ معظمہ کی طرف حج کے لئے متوجہ ہو۔ اس وجہ یقیناً جاذب نظر اور جاذب توجہ تھے اور ایک اجنبی شخص کو یہ پوچھنا ضروری تھا کہ یہ کس کا لشکر ہی؟ کہان جا رہا ہی؟ اور حسینؑ کا نام معلوم ہونے پر وہی سوالات جو ہم نے اس کے قبل درج کئے ہین۔ چنانچہ تاریخین شاہد ہین۔

فرزدق سی ملاقات امام سی یونہی اتفاقی طور پر ہوئی تھی اور عبداللہ بن مطیع و عمر بن عبدالرحمٰن مخزومی بھی راستہ مین خلاف توقع امام سے دو چار ہوگئے اور پھر جو گفتگو ہوئی وہ تاریخ کے اوراق مین محفوظ ہی۔

اسکے معنی یہ ہوئے کہ حسین بن علیؑ اور ہاشمی جوانون کا شاندار قافلہ جو خانہ خدا کو بمجبوری چھوڑ کر جنگل مین راہ پیما تھا خود ایک خاموش مبلغ اور

داعی حق تھا جو دور دور کے لوگوں کو تحقیق حالات اور کشف حقائق پر مجبور کر دیتا تھا۔

## کربلا کی سرزمین پر تبلیغ

راستہ کے تمام اہم واقعات کو چھوڑتے ہوئے امام کی اس عظیم الشان تبلیغ کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جو کربلا کی سرزمین پر حسینؑ سے ظاہر ہوئی، وہ وقت کہ جب حسینؑ کے پیاسے دشمنوں نے چاروں طرف سے امام پر رستہ بند کر دیا تھا اور تیس ہزار کے لشکر نے دین و مذہب کو، انسانیت و غیرت کو خیرباد کہہ کر فرزند رسولؐ کے قتل پر کمر باندھ لی تھی اُن کا گمراہی سے باز آنا ناممکن تھا اور حسینؑ اسباب سے واقف تھے لیکن ایک مبلغ مذہب اور داعی حق کا فریضہ ہے کہ وہ حق کی آواز کو بلند کرے اور تبلیغ و دعوت میں کوتاہی نہ کرے اور اس فرض کو امام نے خوب ادا کیا۔

## ایک شب کی مہلت نماز کیلئے اور مفاد اسلام کی بے نظیر تبلیغ

۹ محرم کو اُس وقت کہ جب خونخوار لشکر کی یورش تھی اور حسینؑ اور اُنکی مختصر

جماعت کے قتل کیلئے حملہ کر دیا گیا تھا حسین نے اپنے بھائی کو بھیجا ایک

شب کی مہلت مانگی کیوں؟ کیا اس لئے کہ حسینؑ اپنے اہل حرم سے

رخصت ہولیں، اپنے عزیزوں کو دل بھر کر ایک رات اور دیکھ لیں یا

ایک شب میں کوئی سامان جنگ کرلیں؟ نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ

آج کی رات بھر خدا کی عبادت کرلیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا شب

اس طرح گذاری کہ لھم دوی کدوی النحل ہر جماعت کی آواز بین

ذکر الٰہی اور تسبیح کیبا اس طرح گونج رہی تھیں جیسے شہد کی مکھی کے

چھتے سے آواز آتی ہے۔"

اس طرح انھوں نے دکھلا دیا کہ سخت ترین مواقع پر کس طرح اصول

مذہب کا خیال رکھا جاتا ہے اور یہ کہ مذہبی جذبہ عالم کے ہر جذبہ سے زیادہ

بر طاقت ہے۔

**دسویں عاشور کے دن نماز ظہر** گذشتہ موقع سے سخت اور زیادہ

کٹھن وہ موقع تھا جب لڑائی شروع ہو چکی تھی حسینی مختصر لشکر کے بہت سے

جوان قتل ہو چکے تھے اور کمزوری محسوس ہونے لگی تھی تیروں کی بارش تھی اور کمانوں کے کڑکنے کی گرج لیکن اس حالت میں بھی نماز ظہر بجماعت ادا کی گئی اور ایسی نماز کہ جس کی نظیر عالم کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی ۔

امام روبقبلہ اور مجاہدین کی صفیں پیچھے اور دو بہادر جوان امام کے آگے سینہ سپر بنے ہوئے کہ جو تیر آئے وہ اپنے اوپر روکیں جس کا نتیجہ یہ تھا کہ نماز ختم ہوتے ہوتے ان دونوں بہادروں میں سے ایک سعید بن عبداللہ حنفی زمین پر گر کر تڑپنے لگتے ہیں اور دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں ۔

یہ تھے حقانیت کے مظاہرات اور صداقت کے نمونے جو اگرچہ اپنے وقت وقوع میں خاموشی کے ساتھ عمل میں آئے لیکن انھوں نے دنیا کو دعوت حق کی پر زور آواز سے مملو کر دیا اور افراد اسلام کے اسلامی حسیات کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا اور دوسری طرف یزید اور ہواخواہان یزید کے ظالمانہ افعال اور اسلام کش حرکات کا پردہ چاک کیا ۔

## تبلیغ حق کے دیگر مظاہرات | عاشورے کی صبح سے لیکر عصر تک

واقعات اگر ہم لکھنا چاہین تو یہ مضمون کافی نہین ہو سکتا تاریخ شاہد ہے کہ
حسینی فوج کا ہر جوان ایک مبلغ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بریر ہمدانی کا مباہلہ
حبیب بن مظاہر کا مکالمہ زہیر بن قین کا خطبہ اور تمام انصار و اقربا کے
وہ رجز جن مین سے ہر ایک حسینی شہادت کے اسباب و علل بیان کرنے مین ایک
مبلغ کا حکم رکھتا تھا۔ اس کا اثر ظاہر ہوا یا نہو لیکن ایک مبلغ کی کامیابی
یہ نہین ہے کہ اُس کی آواز پر لبیک کہنے والے زیادہ تعداد مین پیدا ہو جائین
بلکہ اُسکی کامیابی یہ ہے کہ وہ سخت اور کٹھن موقعوں پر اور دشوار گذار منازل مین
اپنے فریضہ کو ادا کر دے اور جو دعوت اٹھائی ہے اُس کو پورا کر سکے۔

حسینی فوج کے تمام جوان داد شجاعت دیکر رخصت ہو چکے، ہاشمی خاندان کے
شیر بھی اپنے بزرگ کی حمایت مین کام آگئے صرف مظلوم حسین باقی ہین
اور دشمنون کا حلقہ ہے دل پر مصائب کا ہجوم اور آنکھون مین دنیا تاریک ہے،
مگر وہ مبلغ الٰہی، ربانی داعی مذہب اپنے فریضہ سے ایک سکنڈ کیلئے غافل
نہین ہے، وہ خطبے پڑھتا ہے، تقریرین کرتا ہے، صحابہ رسول کو گواہ بناکر

اپنی حقیقت کا ثبوت دیتا ہے۔ کیا اس امید پر کہ یزیدی لشکر حسینؑ کی حالت پر رحم کھائیگا یا وہ درہم و دینار کی جلوہ آرائی اور روپیہ اشرفیوں کی جھنکار اور حکومت و سلطنت کی طمع و حرص سے آزاد ہو کر حق کے راستہ پر آجائیگا؟ لا واللہ۔ حسینؑ بھولے اور ناعاقبت اندیش نہ تھے، وہ خوب جانتے تھے مگر بنی نوع بشر کو حالات سے واقف اور باخبر بنانا چاہتے تھے، انھوں نے کوئی دقیقہ اظہار حق میں اٹھا نہیں رکھا اور آخری نفس تک اپنے فرض کو ادا کر گئے۔

اسوقت بھی کہ جب شمر کا خنجر بوسہ گاہ مصطفےٰ کے قریب آچکا تھا اور امامت کا چراغ گل ہو رہا تھا حسینؑ نے اپنے قاتل کے سامنے تبلیغ کی اور اپنے نانا کی صداقت و حقانیت کو ثابت کر دکھایا "اے شمر ذرا اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا" شمر نے نقاب ہٹائی حضرت نے فرمایا صدق واللہ جدی "میرے نانا رسولؐ نے سچ کہا تھا کہ اے حسینؑ تیرا قاتل ایک مبروص دکوڑھی شخص ہوگا"

روحی لک الفداء! اے حسین بن علی آپ نے مرتے دم تک اپنے فریضہ سے ہاتھ نہیں اٹھایا، آپ نے اپنے نانا کے قول کی تصدیق زیر خنجر بھی ثابت کردی۔ آپ کے خون کا ہر قطرہ جو کربلا کی زمین پر گر رہا تھا آپکی مظلومیت کا مرثیہ خوان اور ملت اسلامیہ کا واحد مبلغ تھا۔

## واقعہ کربلا کے بعض روشن پہلو

**ایثار و مواسات** مشترکہ ضرورت کے وقت دوسرے کو اپنے نفس پر مقدم کرنا ایثار ہے اور سخت موقع پر دوسرے کو مبتلا پاکر خود شریک مصیبت اور ہمدرد ہو جانے کا نام مواسات ہے۔

ان دونوں صفتوں کا بہتر اور مکمل ترین نمونہ زمین کربلا کے مجاہدین نے پیش کیا، ان میں سے ہر فرد نے امام کے نفس کی حفاظت کو اپنے نفس و دین پر اس طرح مقدم سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنے تئیں جیتے جی معدوم سمجھ لیتے تھے۔ سید الشہداء مصلے پر نماز ظہر ادا کر رہے ہیں اور دشمنوں کے تیروں کی

پوچھا ہے۔ سعید بن عبداللہ اور زہیر بن قین امام کے سامنے سپر بنے ہوئے کھڑے ہیں اور ابھی نماز صبح ختم نہیں ہوئی کہ سعید زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر جاتے ہیں ۔

اور خود امام نے مفاد ملی کی حفاظت کو اپنے نفس بلکہ نفس سے عزیز تر اولاد و اقربا اور ان سے بھی بالاتر عزت و ناموس پر اس طرح مقدم کیا کہ خود دنیا کی ہر چیز سے ہاتھ دھو لیا اور رہنے کو عالم بھر کے مصائب و آلام کا نشانہ بننا گوارا کیا لیکن دین اسلام کو قائم کر گئے ۔

اور مواسات کا یہ عالم کہ کوئی مصیبت انصار و صحابہ پر نہیں پڑی جس میں امام نے ان کا ساتھ نہ دیا ہو انصار و اعزا کی شہادت کے عنوان مختلف تھے لیکن جب امام مظلوم کی شہادت پر ایک نظر کی جاتی ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک عنوان کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ ایک بیکس انسان کے قتل کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں وہ اس ایک ذات میں جمع ہو گئی تھیں ۔

حسینؑ اس دن صرف اپنی جان نہیں دے رہے تھے بلکہ دنیا کو ایثار
و مواسات کا نہ بھولنے کے قابل سبق دے رہے تھے اور بے نظیر مثال
قائم کر رہے تھے۔

**ثبات قدم و استقلال** سخت اور دشوار گذار مصائب کے باوجود
قدم میں لغزش نہ ہونا ثبات و استقلال ہے اور اس امتحان میں کربلا کے
مجاہدین کا نمبر سب سے اول ہے، اُن کے سخت اور دشوار گذار مصائب کی نوعیت
عالم سے جداگانہ تھی، سر و گردن کے باہمی ارتباط کا ایک ضربِ شمشیر
سے قطع ہو جانا ایک جانباز سپاہی کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا
لیکن تین دن کی بے آبی اور زخموں کی کثرت کے سبب کلیجہ کے اندر
آگ کا بھڑکنا ہر لحظہ احتضار و نزع روح کی تکلیف برداشت کرتے رہنا
کمسن بچوں کو ماہی بے آب کی طرح تڑپتے دیکھنا اپنے ہاتھ سے اپنی زندگی
کے عزیز ترین سرمایہ اولاد کو چمکتی ہوئی تلواروں اور برستے ہوئے تیروں
میں بھیجنا نہیں بلکہ اپنے ہاتھ پر جگر کے ٹکڑے کو نشانہ تیر بنوا دینا

ہر انسان کا کام نہین۔ اُنکے استقلال و ثبات قدم کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہی اور اُنھون نے اسکے ذریعہ جو حیرت انگیز کامیابی حاصل کی اسکی مثال بھی ملنا ناممکن ہی۔ وہ فنا نہین ہوے بلکہ ہمیشہ کیلئے خود زندہ ہوے اور ہزارون کو زندہ کر گئے۔ دورِ فلک مین جبتک اسلام کا دور ہی اُنکی یاد سچے مسلمانون کے دل مین ہمیشہ تازہ رہیگی اور سرشکِ غم کے سبحۂ صد دانہ پر آن کے نام کا ورد ہوتا رہیگا۔

# عزتِ نفس اور موت کا موازنہ

## مجاہدِ کربلا کا نعرۂ شیرانہ

## الموت اولیٰ من رکوب العار

زندگی عزیز شے ہی اور فطرتِ انسانی مین حیاتِ دنیا کی محبت ودیعت کر دی گئی ہی، انسان اسی کی خاطر سخت ترین دنیا کے مشکلات کو برداشت کرتا اور سرد و گرمِ عالم کا تحمل کرتا ہی۔ اُس کی طبیعت اگر

اُن کو بخل وغیرہ کے سبب جب حد اعتدال سے خارج نہیں ہو گئی ہے تو وہ اپنی جان
کی حفاظت میں مالی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتا اور تمام ممکن ذرائع
جن سے اُسکی ہستی کا بقا ممکن ہے اُن کو صرف کرنا ضروری سمجھتا ہے اسلام
نے بھی اس فطری رجحان کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں پائی بلکہ لا تلقوا
بایدیکم الی التھلکۃ کے حکیمانہ حکم سے حفاظت نفس اور زندگی کی
نگہداشت کو فریضہ لازمہ قرار دیا لیکن دنیائے اعظم کے دور اور لیل و نہار
کی آمد و رفت میں ایسے نازک مواقع پیش آ جایا کرتے ہیں جب جذبات
نفسانیہ میں تلاطم اور طبعی و عقلی رجحانات میں تصادم ہوتا ہے زندگی
اپنی تمام دلفریبیوں کے باوجود اتنی مہیب و زشت میں نظر آتی ہے کہ انسان
بے اختیار اس سے آنکھ بند کر لینا پسند کرتا ہے اور وہ اُسی محبوب زندگی
سے جس پر وہ ہر شے کو قربان کرتا تھا ہاتھ دھونے میں لذت محسوس کرتا ہے
یہ صورت کبھی غیر عقلی، شہوانی، جاہلانہ، نا عاقبت اندیشانہ رجحانات
سے پیدا ہوتی ہے اور اس موقع پر جان دینے سے نہ عقل بڑھکر مرحبا کہتی اور نہ

شرع شاباش کی آواز دیتی ہی لیکن جسوقت موت سے بدتر زندگی یا زندگی سے بہتر موت مین معاملہ پڑگیا ہو جسوقت حیات دنیا اہم ترین مقاصد کے پامال ہونیکا پیش خیمہ ہو اور جسوقت عزت نفس اور فنائے ظاہری کا سوال درپیش ہو جبکہ میزان عقل نے صورت حال کے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے موت کو حیات پر ترجیح دیدی ہو تو اسوقت موت کے موتھ مین جا پڑنیوالے دائمی حیات کے مالک ہو جاتے ہین غیرت دار ہستیان ہمیشہ عزت کا ضد جان کو سمجھتی ہین حسین بن علیؑ نے کربلا مین جو راستہ اپنے لئے مقرر کر لیا تھا وہ اسی اصول پر مبنی تھا اُن کی زبان سے نکلی ہوئی لفظین اگرچہ وسیع صحرائے کربلا مین گونج کر فنا ہو گئین لیکن اُن کا پائدار مفہوم اب بھی غیرت دار اقوام کے صحیفۂ حیات کا سرنامہ اور اُن کے دیباچۂ زندگی کا عنوان اوّل ہے (الموت اولیٰ من رکوب العار) ننگ و عار کے برداشت کرنے سے موت کا آنا بہتر ہے " انکی مختصر لفظین علو ہمت کی منادی اور عزت نفس کی

ترجمان ہین اور انہی کو حسینؑ نے عملی صورت سے دنیا کو دکھلا دیا۔

# اصول کی حمایت اور قربانی

## حسینؑ کی قربانی دنیا سے نرالی تھی

## اس قربانی کے انتظامات عجیب و غریب تھے

کربلا کے مجاہد حسین بن علیؑ کا اصول حق کی حمایت، شریعت اسلامیہ کی نگہداشت اور جابر و ظالم طاقت کے مقابلہ مین روحانی و مذہبی خودداری کی حفاظت تھی، انھون نے اپنے آخری نفس تک اس اصول کو ہاتھ سے نہین جانے دیا، وہ اگر پہلی ہی مرتبہ اپنی جان کی قربانی پیش کر دیتے تو بہت ممکن تھا، اس قسم کی قربانیان کم سہی لیکن ہمثیال نہین ہین سقراط نے بھی اپنے ہاتھ سے زہر کے جام کو اٹھاکر پی لیا تھا اور اپنی جان کو مقصد پہ سے قربان کر دیا تھا لیکن حسینؑ

بن علیؑ کا مقصد بہت اہم تھا، وہ اپنی قربانی کی نوعیت ہی، عالم سے جداگانہ قرار دینا چاہتے تھے، اُن کا مقصد یہ تھا کہ اپنی طرف نسبت رکھنے والی ہر عزیز شے کو خود اپنے ہاتھ سے قربان کریں اور جب اپنے نفس کے سوا کچھ باقی نہ رہ جائے تو اس متاع گرانمایہ کو قربانی کے میدان میں پیش کر دیں، انھوں نے سب سے پہلے اپنے راحت و آرام، وطن کی اطمینانی زندگی کو قربان کیا جس کے سلسلہ میں اُن کو ہر طرح کی تکلیف برداشت کرنا پڑی۔

روز عاشور کی قربانیوں کے سلسلہ میں اپنے محبوب ترین اصحاب و انصار، ساتھ کے کھیلے ہوئے احباب کو قربان کیا، عزیزوں کی باری آئی اور ایک ایک کر کے ان سب کو میدان قربانی میں بھیجا، اپنے داہنے بازو وفادار بھائی قمر بنی ہاشم کو قربان کیا، اپنے پیارے بھتیجے اور داماد قاسم بن الحسن کو قربان کیا، اپنے دل کی قوت آنکھوں کی روشنی اور پیری کے سہارے علی اکبر کو قربان کیا۔

باغ اُمید کی آخری کوپل، اور غنچۂ ناشگفتہ علی اصغرؑ کو خود اپنے ہاتھون پر لاکر قربان کیا، ابھی تک دل کے ٹکڑون کی قربانی ہو رہی تھی اب اعضائے بدن تک نوبت پہونچی، اُن کو ایک ایک کر کے قربان کیا۔ گوشت و پوست، سینہ و دست، دل و جگر، چہرہ و جبین بلکہ سطح جسم کا چپہ چپہ اور اجزائے بدن کا ہر ذرہ قربان کیا، نوبت یہ پہونچی کہ تیرون کو جگہ نہ ملتی اور دشمنون کی تلوارون نیزون کو جستجو کے بعد بھی خالی مکان نظر نہ آتا تھا، جب جسم کا ہر حصہ اور دل کا ہر ٹکڑا قربان ہو چکا۔ صحاب و انصار اہل بیت مین سے پہلے ہی کوئی باقی نہین رہا تھا اعضائے جسم کی قربانی کا بھی امکان نہ رہا، ایک ایک نیزہ پر سیکڑون نیزے اور ایک ایک تلوار پر سیکڑون تلوارین پڑ چکین اور تیر بھی اپنا پورا حوصلہ نکال چکے، اب حسینؑ کیلئے کوئی چارہ کار نہ تھا، کوئی قربانی کے قابل شے باقی نہین رہی تھی صرف ایک رشتہ حیات تھا جو روح و بدن کے درمیان تمسک جان لئے

باوجود قائم تھا اور ایک سروگردن کا ارتباط تھا جس میں ابتک جدائی نہوئی تھی۔

اس باہمت مظلوم کیلئے گذشتہ تمام قربانی کے مرحلوں کو طے کرنے کے بعد اس ایک قربانی کا مرحلہ بالکل آسان تھا بلکہ اس میں خاص لذت محسوس ہو رہی تھی عصر کے ہوتے ہوتے حسینؑ اس قربانی مین بھی کامیاب ہو گئے اور خنجر شمر سے کچھ دیر راز و نیاز کے بعد ایک طرف نفس کی آمد و شد کا سلسلہ اور نفس و بدن کا ظاہری حلقۂ اتصال قطع ہوا اور دوسری طرف سروگردن کے ارتباط مین جدائی پیدا ہوئی۔

آسمان لاکھون برس گردش کرے زمانہ کے ورق گوناگون خصوصیتون کیساتھ سامنے آئین اور الٹ جائین لیکن اتنی شاندار مکمل منظم اور مرتب قربانی کی مثال پیدا نہین ہوسکتی۔

# حسینؑ کی شہادت کے بعد

فاطمہ زہرا کا چاند غروب ہو چکا ہے اور دشمن اپنے مقصد میں ظاہری صورت سے کامیاب ہو چکے ہیں، اب کوفہ و شام کے بازار میں اور بنی ہاشم کے گھرانے کی معزز خواتین اور نیزوں پر کربلا میں شہید ہونیوالے مظلوموں کے سر نصب ہیں سطحی نظر سے دیکھنے والے اس منظر کو اہلبیت رسولؐ کیلئے سخت توہین و ذلت کا باعث سمجھ رہے ہوں گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسوقت حسینؑ کی تبلیغ منتہائے شباب پر پہنچ گئی ہے اور دعوت حق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا ہے۔ اگر چشم حقیقت بین سے نظر کرو تو نیزہ پر سر حسینؑ جس کی پیشانی پر سجدۂ معبود کا نشان پڑا ہوا ہے (سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود) چہرہ سے نور ساطع ہے۔ ہونٹ تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہیں (ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من ایاتنا عجبا)۔

دوسری طرف مخدرات عصمت جہاں تا محرموں کے مجمع میں چادر و مقنعہ سے محروم

نیکے بعد غیرت وحیا کا مجسمہ اخلاق محمدیہ کی تصویر، جاہ و جلال کی چادروں میں پنہاں، طہارت و عفت کے اندر ملبوس اور اُن کے وہ حقائق و دقائق سے بھرا خطبے کا تھا تفرغ عن لسان ابیھا (زینب گویا علی بن ابیطالب کی زبان کے ساتھ کلام کر رہی تھیں)

یہ چیزیں وہ ہیں جنھوں نے صداقت کے پیکر میں روح پھونکدی، دنیا کی آنکھوں کے سامنے سے جہالت و ضلالت کے پردوں کو چاک کر کے پھینکدیا، عالم کو شرق سے لیکر غرب تک حسین بن علیؑ کا مرثیہ خوان اور یزید کے افعال و اقوال سے بیزار و متنفر کر دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آج عالم کے گوشہ گوشہ اور دنیا کے ہر حصہ میں حسینؑ کا نام ہے اور حجاز کا حق ... بادشاہ کروڑوں افراد کے دلوں پر قیامت تک کے لئے حکومت کر رہا ہے اور بنی امیہ کے جبروت و عزت کا چراغ ہمیشہ کیلئے اس طرح گل ہوا کہ کوئی نام لینے والا بھی نہیں ہے عالم نے دیکھ لیا کہ کون ظالم تھا اور کون مظلوم؟ ظلم کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور مظلومیت کی شان کیا ہے؟

علی نقی النقوی عفی عنہ (لکھنؤ)
ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ